اسلامی نظریاتی کونسل کے سوالات کے جوابات

پیر محمد کرم شاہ الازہری

نحمده ونستعينه ونصلي ونسلم على حبيبه محمد المبعوث

رحمة للعالمين ط وعلى اله و صحبه اجمعين ط

آپ کا سوالنامہ موصول ہوا۔ یادفرمائی کے لیے ممنون ہوں۔ آپ نے بڑا اچھا کیا کہ اہل الرائے علماء کی طرف رجوع کیا تا کہ وہ ان اہم اور پیچیدہ سوالات کے بارے میں اپنے تحقیقی جوابات آپ کی طرف ارسال کریں۔ اوران کی روشنی میں آپ کسی حتمی نتیجہ تک پہنچیں۔ ان مسائل کے بارے میں ارباب حکومت بھی مضطرب ہیں اور عوام کے اذہان بھی تشویش اور بے چینی کا شکار ہیں۔ ایک غیر یقینی صورتِ حال نے سب کو پریشان کر رکھا ہے۔ اس کا قلع قمع کرنا اور لوگوں کے قلوب واذہان کو مطمئن کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ آپ کی رپورٹ جتنی مدلل، اور جامع ہوگی۔ حکومت اور عوام کے لیے اس پر عمل کرنا اتنا ہی آسان ہوگا۔

ان سوالات کا جواب لکھنے سے پہلے میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام ایک جامع نظامِ حیات ہے۔ اس کا اپنا تشخص اور اس کی اپنی انفرادیت ہے۔ قومی معیشت بھی اس نظام کا ایک اہم شعبہ ہے۔ اس کا بھی اپنا تشخص اور اپنی انفرادیت ہے۔ جو دوسرے معاشی نظاموں سے صورت وشکل، حقیقت ومعنی دونوں میں مختلف ہے۔ اسلام کے اقتصادی نظام میں کسی دوسرے اقتصادی نظام کی پیوند کاری یا کسی دوسرے اقتصادی نظام میں اسلام کی پیوند کاری مضحکہ خیز قسم کی سادہ لوحی ہے۔ اسلام اپنی فطرت اور مزاج کے اعتبار سے کسی غیر اسلامی نظام کے ساتھ مفاہمت اور مصالحت کے لیے تیار نہیں۔ جو لوگ اسلامی نظریات کی معجون مرکب تیار کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی کوششیں نہ اب تک کامیاب ہوئی ہیں۔ اور نہ آئندہ ان کے کامیاب ہونے کا کوئی امکان ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اسلام سرمایہ داری کا حقیقی مخالف ہے۔ اور وہ اس مخالفت

کا برملا اقرار کرتا ہے کہ وہ مسلم معاشرہ میں اس بات کا ہرگز روادار نہیں کہ قوم کی ساری دولت اور ملکی ثروت سمٹ کر چند ہاتھوں میں جمع ہو جائے۔ چند خاندان تو عیش وعشرت کی زندگیاں بسر کریں۔ اور باقی ساری قوم محرومیوں کا شکار رہے۔ افلاس وغربت جہالت و بیماری کی آہنی زنجیروں میں جکڑی رہے۔ اور اپنی بدنصیبی پر خون کے آنسو بہاتی رہے۔ اسلام، دولت کی منصفانہ تقسیم کا علمبردار ہے تاکہ ہر شخص اپنی خدا داد صلاحیتوں کو پوری ہمت سے بروئے کار لائے اور خوشحال زندگی بسر کر سکے۔ وہ خوش حال زندگی کا وعدہ کر کے انسان کو اس کی عظمت سے محروم نہیں کرتا، اس کی آزادی عمل سلب نہیں کرتا، اس پر ناروا پابندیاں لگا کر اس کے عزم جواں کو مفلوج نہیں کرتا، بلکہ وہ انسان کی عظمت، اس کی حریت کو برقرار رکھتے ہوئے اسے خوشحالی کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے۔ اس لیے سرمایہ داری سے اس کی مخاصمت اور اس کی بیخ کنی کے لیے اس کا طرزِ عمل اشتراکیت کے اندازِ فکر اور طریقہ کار سے بہت مختلف ہے۔

اسلام ان راستوں کو بند کرنے کی طرف پوری توجہ دیتا ہے۔ جن راستوں سے قومی دولت طوفان کی سی تیزی سے چند لوگوں کے پاس جمع ہو جاتی ہے۔ اسلامی فقہ کی اصطلاح میں اس طریقہ کار کو ''سد ذرائع'' کہا جاتا ہے کہ ایسے ذرائع کو بند کر دو۔ ایسے ذرائع کا استیصال کر دو۔ جن کے باعث اسلامی معاشرہ میں فساد اور خرابی اپنے قدم جماتی ہے۔ چنانچہ اکتساب دولت کے وسائل کو اسلام نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ حلال اور حرام۔ وہ تمام وسائل جن میں انسان کی جسمانی یا ذہنی جدوجہد کا دخل نہیں ہوتا یا جس کا دارومدار فقط اتفاق۔۔۔۔۔ یا کسی شخص کی مجبوری، معذوری یا بے خبری اور ناتجربہ کاری سے فائدہ اٹھانے پر ہوتا ہے۔ ان تمام وسائل کو حرام قرار دیا گیا۔ جوا، شرائط لگانا، ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹنگ، رشوت اور سود سب قطعاً ممنوع قرار دیئے گئے، کیونکہ یہی وہ اسباب ہیں۔ جن کے بل بوتے پر سرمایہ داری کا نظام پھلتا پھولتا ہے۔ اور اپنی تباہ کاریوں سے انسانی معاشرہ کو گوناگوں مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ان تمام ممنوعہ ذرائع اکتساب میں سرفہرست سود ہے۔ جب تک اسلامی معاشرہ سود کی لعنت سے پاک رہا۔ تجارتی، صنعتی، زرعی میدانوں میں بے شمار ترقی کرنے کے باوجود سرمایہ داری کا عفریت وہاں قدم نہ رکھ سکا۔ مغربی استعمار کی بالادستی نے جہاں ہماری ملّی اور انفرادی زندگی کے دوسرے شعبوں کو مجروح کیا۔ وہاں ہماری معاشی زندگی بھی اس کی یلغار سے محفوظ نہ رہ سکی۔

بدقسمتی سے جب عالمِ اسلام پر انحطاط وادبار کی گھٹائیں چھارہی تھیں۔اس وقت مغرب کی علمی برتری، سائنسی ایجادات اور سیاسی فتوحات کا ڈنکا چاردانگ عالم میں بج رہا تھا۔ یہ ایک قدرتی امر ہے کہ مغلوب اور کمزور قوموں کی نگاہ میں طاقتور فاتح کی ہر ادا دلآویز، ہر فعل دل پسند اور ہر نظریہ حق دکھائی دیتا ہے۔ان کے اقوال کی صداقت اور ان کے نظریات کی حقانیت کو پرکھنے کی ضرورت بھی وہ محسوس نہیں کرتے۔بغیر دلیل کے ان کی ہر بات مان لی جاتی ہے۔انہی حالات میں سود جیسی مہلک چیز بھی اسلامی ممالک خصوصاً ہندوستان میں قابل پذیرائی ہوگئی۔

پاکستان بننے کے بعد علماء نے پرزور مطالبہ کیا کہ سود کو قطعی طور پر ممنوع قرار دیا جائے لیکن وہ ذہن جو مغربی تہذیب سے بری طرح متاثر اور مرعوب تھے۔انھوں نے علماء کے اس مطالبہ کو نا معقول، ناقابلِ عمل اور رجعت پسندانہ قرار دیا۔اور بنکوں کے سود کو جائز قرار دینے کے لیے تاویلات کے انبار لگا دیئے۔چنانچہ صنعت کاروں نے بنکوں سے سود لے کر بڑی بڑی فیکٹریاں ملیں اور کارخانے قائم کر لیے۔بنکوں کو وہ پانچ سات فی صد سود ادا کرتے، لیکن خود ایک صد روپیہ پر کئی گنا منافع کماتے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند سالوں میں ملکی ثروت سمٹ کر چند خاندانوں کی تجوریوں میں چلی گئی اور عام پاکستانی زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے بھی بہرہ ور نہ ہو سکا۔رفتہ رفتہ حالات ناقابل برداشت ہو گئے، اور بائیس خاندانوں کی لوٹ مار اور غارت گری کی خونچکاں داستانیں زبان زدعام ہوگئیں۔

جن لوگوں نے سرمایہ داری کے جوروستم کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔صد حیف! انھوں نے بھی اسلام کے سرچشمۂ فیض سے استفادہ کی کوشش نہ کی۔ان کے خادم ذہن اشتراکیت وشیوعیت کی طرف مائل ہو گئے۔اور اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ ان دنوں کمیونسٹ نظام بڑا فروغ پذیر تھا۔آئے روز اس کی فتوحات کا دائرہ وسیع تر ہوتا جارہا تھا۔روس کے علاوہ چین جیسے وسیع وعریض ملک میں اس کا علم لہرا رہا تھا۔ہماری مشرقی سرحدوں کے ساتھ جو ممالک تھے۔وہاں بھی اشتراکیت وسرمایہ داری میں گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔مصر، شام، عراق اور یمن میں بھی روس کا اثر ونفوذ بڑھتا چلا جارہا تھا۔ہمارے پہلے قائدین اگر یورپ کی تہذیب وتمدن سے متاثر تھے، تو ہمارے نئے مصلحین لینن اور ماؤزے تنگ وغیرہ کمیونسٹوں کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ہم اسے شومئی قسمت پر محمول کریں گے کہ دونوں اہم لمحات میں ہمیں اسلامی قیادت نصیب نہ ہوئی، جو ہمیں راہِ راست پر گامزن کر کے منزلِ

مراد تک پہنچاتی۔اس طرح تیس سال کا قیمتی عرصہ مختلف پگڈنڈیوں پر بھٹکتے بھٹکتے ضائع ہو گیا۔

ان ابتدائی گذارشات کے بعد عرض یہ ہے کہ اس قسم کے جدید مسائل کا صحیح اور حتمی حل تلاش کرنے کے لیے ایک ایسا بورڈ بنایا جائے۔جس کے اراکین میں علماء، محقق، معاشیات اور بنکاری کے ماہرین شامل ہوں، یہ سب حضرات سر جوڑ کر بیٹھیں ایک دوسرے کی تحقیقات، معلومات اور مشوروں سے فائدہ اٹھائیں۔کتاب وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں لوگوں کے سامنے اپنے حتمی فیصلے پیش کریں۔جن کے مطابق ہر شخص بغیر کسی خلش کے عمل کرے۔اس فریضہ کو انجام دینے کے لیے جتنا وقت صرف ہو۔جتنی محنت درکار ہو، اس میں بخل سے کام نہ لیا جائے۔موجودہ حکومت کا یہ ایک ایسا زریں کارنامہ ہوگا جس کے لیے ساری قوم بلکہ سارا عالم اسلام اور آئندہ آنے والی نسلیں بھی زیر بار احسان رہیں گی۔

اب آپ کی خواہش کے مطابق یہ ناچیز آپ کے سوالات کے جوابات پیش کرتا ہے۔خداوند کریم میری راہنمائی فرمائے اور صراطِ مستقیم پر ثابت قدمی سے گامزن رہنے کی ہم سب کو توفیق بخشے۔آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

سوال نمبر ا (الف)

قرآن مجید اور سنت کی روشنی میں ربا کا صحیح مفہوم کیا ہے۔اور قبل از اسلام اس سے کیا مراد لی جاتی تھی؟ تخصیاً کیا ربا سے مراد ایسا سود ہے جو اصل زر کو دوگنا اور سہ گنا (اضعافا مضعفۃ) کر دیتا ہے۔یا اس میں قرض خواہ کی طرف سے وصول کیا جانے والا رائج الوقت سود مفرد اور سود مرکب بھی شامل ہے۔

(ب)

کیا ظہور اسلام کے بعد ہونے والی ترقی اور تبدیلیوں کے پیش نظر ربا کی نئی تشریح کی جاسکتی ہے؟

جواب (الف)

یہ امر واضح ہے کہ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا جو فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ ترین معیار پر ہے۔جس کے سامنے فصحاء عرب کو اپنے سر جھکا دینے پڑے۔ارشاد ہے: قرانا عربیا

غیر عوج (الزمر آیت ۲۸) یہ ایسا قرآن ہے۔ جو عربی زبان میں ہے، جس میں کوئی کجی نہیں، دوسری جگہ ارشاد ہے، دوسری جگہ ارشاد ہے:

وانه لتنزيل رب العالمين نزل به الروح الامين على قلبك لتكون من المنذرين بلسان عربی مبین (الشعرآ ۱۱۲ تا ۱۹۵)

اور بے شک یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ اسے روح الامین لے کر اترے۔ آپ کے قلب مبارک پر تاکہ آپ لوگوں کو ڈرائیں۔ یہ عربی زبان میں ہے۔ جو بالکل واضح ہے۔

اس لیے ''ربا'' کے لفظ کی تحقیق کرنی چاہیے۔ کہ اہل زبان اس لفظ کو کس معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ صاحب قاموس لکھتے ہیں: ربا۔ ربو: زادونما یعنی کسی چیز کا زیادہ ہونا اور بڑھنا ۔لسان العرب میں اس کا مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے۔ ربا ايشئ يربوا ربوا ورباء : زادتما ،یعنی کسی چیز کا زیادہ ہونا یا بڑھنا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: والاصل فيه الزيادة من ربا المال اذازادوارتفع یعنی اس لفظ کا اصل معنی زیادتی ہے۔ جب مال میں زیادتی اور ارتفاع ہو تو اہل عرب کہتے ہیں: ربا المال۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر زیادتی، قلیل ہو یا کثیر، کو لغت عرب میں ''ربا'' کہتے ہیں۔ چنانچہ اسی لغوی مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہا اسلام نے 'ربا' کی شرعی تعریف اس طرح کی ہے:

الربا شرعا فضل خال عن عوض بمعيار شرعی (وهو الكيل والوزن) مشروط لاحد المتعاقدين فی المعاوضة (تنویر ابصار جلد ۴ صفحه ۱۹۲)

یعنی ہر وہ زیادتی جو کسی عوض کے بغیر ہو۔ اور معاوضہ میں ایک فریق کے لیے مشروط ہو۔

قرآن کریم کی آیات سے بھی اس مفہوم ہی کی تصدیق ہوتی ہے

يا ايها الذين امنوا اتقو الله و ذروا مابقى من الربا۔

اے ایمان والو! اللہ تعالےٰ سے ڈرو اور جو ''ربا'' باقی رہ گئی ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو۔

اس آیت میں مطلق ربا چھوڑ دینے کا حکم ہے۔ یہ نہیں فرمایا گیا کہ تھوڑی ربا ہو تو لے لو اور زیادہ ہو تو ترک کردو کاروباری قرضوں پر تو سود لے لو، اور نجی ضروریات کے لیے جو قرضے دیئے

ہیں۔ ان کا سود معاف کر دو، بلکہ حکم مطلق ہے۔ہم اپنی طرف سے کوئی قید اس میں نہیں بڑھا سکتے۔اگر خداوند کریم کو مقید کرنا مطلوب ہوتا، تو جہاں ربا کے متعلق تفصیل سے ذکر آیا ہے۔وہاں اس قید کا ذکر عین مصلحت ہوتا تا کہ ماننے والے کسی ذہنی کش مکش میں مبتلا نہ ہوتے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ دوگنا اور سہ گناہ سود تو حرام ہے،لیکن اس سے کم حرام نہیں ہے اور اپنی بے خبری کے باعث اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

یا یھا الذین امنو لا تاکلو االربا اضعافا مضعفۃ۔

یعنی اے ایمان والو! کئی گناہ سود مت کھاؤ۔

لیکن ان کا یہ استدلال قطعاً بے بنیاد ہے۔علمائے کرام نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حرمتِ ربا کے سلسلہ میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی ابتداء میں ربا کی سب سے بدترین صورت کو اس آیت میں حرام کیا گیا۔اس کے بعد دوسری آیات نازل ہوئیں۔جن سے ہر قسم کی ربا کی ممانعت کر دی گئی۔اصلاحِ احوال میں تدریج کی حکمتِ عملی قرآن کریم کا دستور ہے۔شراب کی حرمت، میراث کا قانون اور کئی دیگر احکام میں بھی اس حکمتِ عملی کو اپنایا گیا ہے تا کہ لوگوں کو ان احکام کی بجا آوری میں آسانی ہو نیز علماء نے اس امر کی بھی وضاحت کی ہے کہ یہ قید (اضعافا مضعفۃ) حکم کی شرعی قید نہیں کہ اگر یہ قید پائی جائے، تو سود کی حرمت ثابت ہو۔اور اگر نہ پائی جائے تو یہ حکم بھی نہ پایا جائے۔ بلکہ اضعافا مضعفۃ سے امر واقع کی طرف اشارہ ہے۔اور ربا کی مختلف صورتیں جو ان کے ہاں رائج تھیں۔ان میں سے ایک قبیح ترین صورت کا ذکر کر دیا گیا، قرآن کریم میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ جہاں ان عورتوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کے ساتھ نکاح حرام ہے۔وہاں ارشاد ہے:

وربائبکم اللاتی فی حجورکم

یعنی تمھاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمھاری گود میں پرورش پائیں۔وہ بھی حرام ہیں۔ بیوی کی بیٹی کی حرمت کے لیے فی حجورکم کا پایا جانا ضروری نہیں۔اگر وہ گود میں پرورش نہ پائے۔تب بھی وہ حرام ہے۔یہاں محض ذکر واقع ہے۔یہ شرعی نہیں کہ اس کے فقدان سے حرمت ،حلت میں بدل جائے۔

ایک اور آیت شریفہ ملاحظہ ہو:

☆ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

لاتشترو بایاتی ثمنا قلیلا

یعنی میری آیتوں کو قلیل قیمت پر مت فروخت کرو۔

کوئی شخص بھی یہ آیت پڑھنے کے بعد یہ نہیں کہہ سکتا کہ تھوڑی قیمت پر آیات الٰہیہ کو فروخت کرنا تو منع ہے، لیکن زیادہ قیمت پر اگر فروخت کر دیا جائے، تو کوئی حرج نہیں۔ معلوم ہوا کہ ثمنا قلیلا اس حکم کے لیے قید شرعی نہیں۔ اسی طرح اس آیت شریفہ میں بھی (اضافا مضعفۃ) کے الفاظ حرمت کے لیے شرعی قید نہیں ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی صاحب اس پر مصر ہوں کہ یہ قید شرعی ہے۔ اور فقط وہی سود حرام ہے۔ جو (اضعا فا مضعفۃ) ہو، تو ہم ان کو زحمت دیں گے کہ وہ ان الفاظ کا ترجمہ ہمیں سمجھائیں۔ جہاں تک ہمارا علم ہے۔ اضعاف جمع ہے اس کا واحد ضعف ہے۔ ضعف کا معنی دوگنا ہے۔ عربی زبان میں جمع کا اطلاق کم از کم واحد کے تین افراد پر ہوتا ہے۔ تو سو کا ضعف یعنی دوگنا دو صد ہوا۔ اضعاف جمع ہے کم از کم تین دوگنے چھ سو اور 'مضعفۃ' اس کا بھی دوگنا بارہ سو۔ اگر ان کی اس توجیہہ کو درست مان لیا جائے تو قرآن کریم کے الفاظ کا یہ معنیٰ ہوگا کہ اصل زر پر چھ سو یا بارہ سو گنا سود حرام ہے۔ اس سے کم مقدار میں سود حرام نہیں بلکہ شیرِ ماں کی طرح حلال بھی، اور خوشگوار بھی۔ خود انصاف فرمایئے کہ قرآن کریم کے ساتھ اور اسلام کے ساتھ یہ کتنی بڑی زیادتی ہے۔ اتنی شرح سود پر تو کوئی پتھر دل بنیا اور بے رحم مہاجن بھی سود نہیں لیا کرتا۔ اسلام جو ربّ العالمین کا دین ہے۔ کیا آپ ایسے دین کو ایک لالچی، سنگدل اور خون آشام بنئے سے بھی زیادہ بے رحم ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ کچھ تو غور کیجئے۔ کچھ تو انصاف سے کام لیجئے۔

قرآن کریم کی متعدد آیات اور بے شمار صحیح احادیثِ نبویہ ﷺ کی روشنی میں کسی ادنیٰ جھجک کے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر طرح کا سود حرام ہے۔ خواہ سود مفرد ہو یا مرکب۔ اضعافا مضعفۃ ہو۔ یا اس سے کم۔ نجی ضروریات کے لیے ہو یا کاروباری مقاصد کے لیے ان میں کوئی فرق نہیں۔

شریعتِ اسلامیہ نے کئی اور چیزوں کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ لیکن جس شدت سے قرآن کریم نے سود کی حرمت کو بیان کیا ہے۔ اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے۔ فرمان خداوندی ہے:

فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ وان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون۔

ترجمہ:۔ اگر تم سود کو نہیں چھوڑو گے، تو پھر خداوند کریم اور اس کے رسول ﷺ

کی طرف سے تمھارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔اور اگر تم توبہ کرو تو تمھیں
صرف اپنا اصل زر لینے کا حق ہے۔نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

آیت کا آخری جملہ ''لاتظلمون ولاتظلمون'' اسلامی نظام معیشت کی بنیاد ہے وان تبتم کے جملہ سے ہر قسم کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔یعنی وہ توبہ کرنے والا صرف اپنا راس المال لینے کا حقدار ہے۔اس سے زیادہ ایک پائی بھی وہ نہیں لے سکتا اور آیت کے ابتدائی جملہ میں جس اعلان جنگ کا ذکر ہے۔اس کا کون متحمل ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ لغتِ عرب اور اہل عرب کے نزدیک قرض پر ہر زیادتی کو سود شمار کیا جاتا ہے۔اس کی مختلف صورتیں تھیں۔قرآن کریم نے سود کو اپنی تمام صورتوں کے ساتھ قطعاً حرام کر دیا۔

(ب)

وہ احکام جو قرآن کریم کی آیات بینات اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہوں، کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان میں کسی قسم کا تغیر وتبدل کرے۔سود کی حرمت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔جدید معاشی تقاضوں کی آڑ لے کر سود کی تعریف بدلی نہیں جا سکتی۔اگر یہ دروازہ ایک مرتبہ کھول دیا گیا تو تمام قوانینِ اسلامیہ کا حلیہ بگڑ جائے گا۔تحریف کا ایک ایسا سیلاب امڈ آئے گا۔جس کو روکنا محال ہو جائے گا۔اور شریعتِ اسلامیہ کے سارے خدوخال محو ہو جائیں گے۔

نئے تقاضوں کو آڑ بنا کر احکامِ شرعیہ پر دستِ تعدی دراز کرنے والے اتنا غور کریں کہ قرآنی احکام کسی ایسے مقنن کے بنائے ہوئے نہیں جس کا علم محدود ہو جس کی نظر حال پر ہو،لیکن مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے تغیرات اس پر مخفی ہوں، بلکہ یہ کتاب اس ذات باری کی ہے۔جو عالم الغیب والشہادت اور بکل شئی علیم کی صفت سے متصف ہے۔اس کے سامنے غیب وشہادت،حال واستقبال یکساں طور پر عیاں ہیں۔جس سے کائنات کی کوئی تبدیلی اور حالات کا کوئی تقاضا مخفی نہیں۔ بلکہ جو تبدیلی رونما ہوتی ہے، جو حالات جنم لیتے ہیں۔وہ سب اس کے حکم سے رونما ہوتے ہیں۔

سوال نمبر۲

کیا اسلامی تعلیمات اور احکام کے مطابق:

(ا) دو مسلم ریاستوں کے درمیان یا

(۲) ایک مسلم اور دوسری غیر مسلم ریاست کے مابین سود کی بنیاد پر کاروبار جائز ہے؟

جواب نمبر ا

جس طرح دو مسلمان افراد کے درمیان سود کا لین دین حرام ہے۔اسی طرح دو مسلمان ریاستوں کے درمیان سودی کاروبار جائز نہیں آزاد اور بااختیار اسلامی حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں سودی نظام کو بدل ڈالیں۔ورنہ وہ عنداللہ جواب دہ ہوں گے۔اور ایسے ممالک میں بسنے والے عوام کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنی حکومت کو مجبور کریں اور قانونی ذرائع سے زور ڈالیں کہ وہ ملک میں سود کی لعنت کو ختم کریں۔

بااختیار حکومتوں کا تو فرض ہے لیکن وہاں بسنے والے افراد اور کاروباری ادارے معذور تصور ہوں گے۔اور اس درمیانی عرصہ میں بنکوں کے ذریعے کاروبار جاری رکھ سکتے ہیں۔

(ب)

ایک مسلم اور دوسری غیر مسلم ریاست کے مابین سود کی بنیاد پر کاروبار کی اجازت دی گئی ہے۔اسی طرح مسلمان افراد دارالحرب میں حربیوں کے ساتھ سودی کاروبار میں شرکت کرتے ہیں۔اس کی جو متعدد وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ان میں سے ایک وجہ تو یہ ہے کہ دارالحرب کی حکومت اور وہاں کے افراد جس قسم کا برتاؤ ہمارے ساتھ کریں گے۔اسی قسم کا برتاؤ ہم ان کے ساتھ کرنے کے مجاز ہیں۔فقہا کرام نے تصریح کی ہے کہ اگر غیر مسلم حکومتیں ہمارے تاجروں کے تجارتی اموال پر کوئی کسٹم ڈیوٹی وصول کرتی ہے تو ہم بھی ان کے تاجروں سے کسٹم ڈیوٹی وصول کرنے کے مجاز ہیں۔اور اگر وہ ہم سے وصول نہیں کرتے ،تو ہمیں بھی یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم ان تاجروں کے تجارتی اموال پر کسٹم ڈیوٹی وصول کریں۔اس کے علاوہ اور وجوہات بھی ہیں۔جو کتب فقہ میں شرح وبسط سے بیان کی گئی ہیں۔

سوال نمبر ۳

حکومت قومی ضروریات کے لیے جو قرضے جاتی کرتی ہے۔کیا ان پر لاگو ہونے والا سود ربا کی ذیل میں آتا ہے؟

جواب:

سود قطعاً حرام ہے جس کو کسی قسمت پر جائز قرار نہیں دیا جا سکتا حکومت کو اگر قومی

ضروریات کے لیے قرض درکار ہو تو اس کی صحیح صورت یہ ہے کہ وہ قرضے جو منفعت بخش کاموں کے لیے دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً کاروباری ادارے، صنعتیں وغیرہ، اس صورت میں جو لوگ روپیہ قرض دیں۔ ان کو حصہ دار کی حیثیت سے شامل کیا جائے اور ان اداروں سے جو نفع حاصل ہو۔ اس نفع کی مناسب شرح ان حصہ داروں میں ان کے حصص کے مطابق تقسیم کی جائے۔ یہی نفع لوگوں کو ترغیب دینے کے لیے کافی ہے۔ اگر لوگ کمپنیوں کے حصص بڑے شوق سے خریدتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حکومت کے کاروباری منصوبوں میں وہ حصہ دار بننے میں کمال شوق کا مظاہرہ نہ کریں۔

البتہ حکومت کو بسا اوقات ایسے منصوبوں کے لیے بھی قرضہ لینا پڑتا ہے۔ جو کاروباری نوعیت کے نہیں ہوتے، مثلاً سڑکیں، پلیں، ہسپتال اور دیگر دفاعی ادارے یا اسلحہ سازی کے کارخانے ان مقاصد کے لیے حکومت جو قرض لے۔ اس پر سود لینا اور دینا حرام ہے۔

میرا خیال ہے، اگر لوگوں کو یقین دلایا جائے کہ ان کا سرمایہ محفوظ رہے گا اور سرکاری اعلیٰ افسران اسے اللوں تللوں میں ضائع نہیں کریں گے۔ نیز جب انھیں ضرورت پڑے گی، تو انھیں وہ رقم فوراً مل جائے گی، تو لوگ حکومت کو قرضہ حسنہ دینے میں قطعاً کوئی جھجک محسوس نہیں کریں گے۔ اب بھی کروڑوں روپیہ بنکوں کے کرنٹ اکاؤنٹ میں جمع ہے۔ جن پر ان کے مالک کوئی سود وصول نہیں کرتے۔ جب لوگوں کو اپنی حکومت پر اعتماد ہو گا، اور حکومت کو ضروری مقاصد کے روپیہ درکار ہو گا، تو لوگ قرضِ حسنہ دینے میں بخل سے کام نہیں لیں گے۔

سوال نمبر ۴

کیا آپ کے خیال میں غیر سودی بنکاری نظام ممکن ہے، اگر جواب اثبات میں ہے تو اس کا جواز کن مفروضات پر مبنی ہے؟

جواب

غیر سودی بنکاری نظام قائم کرنا بلاشبہ ممکن ہے۔ اس کے لیے فقط عزم اور پختہ ایمان کی ضرورت ہے۔ ایک مروجہ نظام کو نئے سانچے میں ڈھالتے وقت طرح طرح کی دشواریوں کا پیش آنا ایک قدرتی بات ہے، لیکن اہل عزیمت ان دشواریوں سے گھبراتے نہیں، بلکہ غور و تدبر اور جدو جہد سے وہ ان دشواریوں پر قابو پا لیتے ہیں۔ موجودہ بنکاری کا نظام عرصہ دراز سے مروج ہے۔ کارکن عملہ اس کے قواعد وضوابط کا خوگر اور عادی ہو چکا ہے، جو لوگ بنکوں سے لین دین کرتے ہیں۔ وہ بھی اس

کے نظام کار سے اچھی طرح مانوس ہیں۔ جب بنک کے موجودہ ڈھانچہ کو آپ بدلیں گے اور اسے اسلامی قالب میں ڈھالیں گے، تو پیش آنے والی الجھنوں کو دور کرنے کے لیے عزم وثبات، ہمت و جرأت سے کام لینا پڑے گا۔ کارکن عملہ کو نئے قواعد وضوابط سے مانوس کرنا بھی ایک کٹھن کام ہے، لیکن یہ ساری دشواریاں بہت کم عرصہ میں ناپید ہو جائیں گی۔

لوگوں کو جب معلوم ہوگا کہ اب انھیں صرف چند فی صد سود پر ہی ٹرخا نہیں دیا جائے گا، بلکہ جس کاروبار میں انتظامیہ ان کا سرمایہ لگائے گی اس سے جو نفع حاصل ہوگا۔ اس میں سے انھیں بھی مناسب حصہ ملے گا، تو آپ یقین جانیے، لوگ اپنا سارا سرمایہ بنکوں کے حوالے کر دیں گے۔ سود سے بچنے کے لیے آج کل جو لوگ کرنٹ اکاؤنٹ میں اپنا روپیہ رکھتے ہیں۔ اس کا بھی معتد بہ حصہ وہ ڈیپازٹ اکاؤنٹ میں رکھیں گے۔ سرمایہ کی فراوانی سے کاروبار میں ترقی ہوگی، جس کا اس وقت اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے لوگوں کے دلوں میں یقین اور اعتماد پیدا کرنا شرطِ اول ہے۔ انتظامیہ کا مخلص، سمجھ دار اور دیانتدار ہونا بھی از حد ضروری ہے۔

کاروبار میں جہاں نفع کی امید ہوتی ہے۔ وہاں نقصان کا اندیشہ بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ نقصان سے بچنے کے لیے ہر سال نفع کی رقم سے ایک معقول حصہ بطور ریزرو فنڈ رکھ دیا جائے اور نقصان کی صورت میں اس فنڈ سے اس کی تلافی کر دی جائے۔ پوری احتیاط اور دیانتداری کے باوجود بھی اگر نقصان ہو، تو لوگ ایسے نقصان کو بخوشی قبول کر لیں گے، کیونکہ سالہا سال تک نفع بھی اس کو ملتا رہا ہے۔ یہ محض شیطانی خدشات ہیں کہ اگر بنک سود دینا بند کر دیں تو لوگ بنکوں میں اپنا روپیہ جمع نہیں کرائیں گے۔ اس موضوع پر کئی فضلا نے مفصل کتابیں لکھی ہیں۔ ایک مرتبہ اگر حکومت ایسا کرنے کا پختہ عزم کر لے، تو تفصیلات طے کرنے کے لیے ایک بورڈ تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ جو جید علماء ماہرینِ معاشیات اور تجربہ کار بنکاروں پر مشتمل ہو۔ اور حکومت کے لیے ایسا کرنا قطعاً مشکل نہیں۔

سوال نمبر ۵

کیا اسلامی احکام کی روشنی بنکوں کی فراہم کردہ سہولتوں یا خدمات کے عوض سود کی وصولی کے سلسلہ میں نجی اور سرکاری بنکاری میں کوئی امتیاز کیا جا سکتا ہے؟

جواب

نجی اور سرکاری بنکاری میں سود کے حکم کے بارے میں کوئی تفاوت نہیں۔البتہ بنک جو خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ان کے عوض وہ مناسب حق الخدمت وصول کر سکتے ہیں جس سے بنکوں کے اخراجات اور دوسری ضروریات کی کفالت ہو سکے۔

سوال نمبر ۶

کیا حکومت کے مملوکہ یا اس کے زیرِ نگرانی چلنے والے بنکاری کے کسی ادارہ کو نا معلوم اور غیر تشریح شدہ مالک کی ملکیت (مال مجہول المالک) قرار دیا جا سکتا ہے،اگر اثبات میں ہے،تو اسلام کی رو سے ایسے ادارہ کی حیثیت کیا ہوگی؟

جواب

حکومت کے مملوکہ بنکوں کی مالک حکومت ہے۔مرکز میں اس کی نمائندگی صدر اور وزیر اعظم کرتے ہیں اور صوبوں میں گورنر اور وزرائے اعلےٰ کرتے ہیں۔ان حالات میں ایسے بنکوں کو مال مجہول المالک کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے۔

سوال نمبر ۷(الف)

آیا اسلامی تعلیمات کے بموجب سرمایا کو عامل پیداوار (Agent of production) قرار دیا جا سکتا ہے۔اور اس کے استعمال کے عوض کوئی معاوضہ دیا جا سکتا ہے۔

(ب)

اگر مذکورہ بالا سوال کا جواب اثبات میں ہے،تو آیا اسلام منافع کی تقسیم میں سرمایہ کا کوئی حصہ مقرر کرتا ہے؟

جواب

اسلام کا نظام افراط وتفریط سے مبرا ہے۔اس نظام میں ساری اہمیت نہ سرمایہ کو دی گئی ہے اور نہ صرف محنت کو عامل پیدا وار قرار دیا گیا ہے۔سرمایہ اور محنت مل کر پیداوار کا باعث بنتے ہیں۔شریعتِ اسلامیہ میں مضاربت کے احکام ایسی بنیاد پر مرتب کئے گئے ہیں کہ ایک آدمی سرمایہ لگاتا ہے،دوسرا محنت کرتا ہے۔اور دونوں حسبِ حال طے شدہ نسبت سے نفع تقسیم کر لیتے ہیں۔شریعت اسلامیہ میں مکانوں کا کرایہ،زمین کو زراعت کے لیے ٹھیکہ پر دینا جائز ہے۔سرمایہ کا حصہ پیداوار میں اس طرح تقسیم کیا جاتا ہے کہ نفع ونقصان میں دونوں فریق طے شدہ نسبت کے مطابق حصہ دار ہوں گے۔

سوال نمبر ۸ (الف)

کیا آپ کے خیال میں موجودہ اقتصادی حالات میں بنکاری کی سہولتوں سے استفادہ کیے بغیر یا ایسی سہولتوں کے عوض سود یا بنکاری اخراجات ادا کیے بغیر ملکی اور غیر ملکی تجارت کو مؤثر طریقے سے چلانا ممکن ہے؟

(ب)

اگر مندرجہ ذیل سوال کا جواب نفی میں ہے، تو کیا آپ اسلامی احکام سے ہم آہنگ کوئی متبادل حل تجویز کر سکتے ہیں؟

جواب

موجودہ اقتصادی حالات میں غیر ملکی تجارت کا تصور بھی بنکوں کے بغیر مشکل ہے لیکن ملکی تجارت کی افزوں ترقی میں بنک جو کردار انجام دے رہے ہیں وہ بھی محتاج بیان نہیں۔ صرف تجارت کے میدان میں ہی نہیں، بلکہ صنعت وزراعت کی ترقی میں بھی بنکوں کو بے پناہ اخراجات کا متحمل ہونا پڑتا ہے۔ ان اخراجات کو ادا کرنے کے لیے سود کو استعمال کرنا قطعاً جائز نہیں، البتہ بنک اپنی ضروریات کا مناسب معاوضہ اور حق الخدمت لے سکتے ہیں۔ اس طرح سود کے بغیر بھی وہ اپنی کارکردگی سے ملک کی اقتصادی ترقی میں گراں بہا خدمات انجام دے سکتے ہیں۔

سوال نمبر ۹

کیا بیمہ کا کاروبار سود کے بغیر چلایا جا سکتا ہے؟

جواب

بعض حضرات نے بیمہ کو مطلقاً حرام ثابت کرنے کے لیے ناروا تکلفات کی زحمت گوارا کی ہے۔ کسی نے اس کو قمار کہا ہے۔ کسی نے اس کو شرط کا ایک فرد قرار دیا ہے۔ اور کسی نے اسے سودی کاروبار میں شمار کیا ہے، لیکن اگر تکلفات کو بالائے طاق رکھ کر اصل حقیقت کا کھوج لگایا جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بنیاد امداد باہمی کے زریں اصول پر ہے۔ قدیم تاریخ میں بھی اس کی مثالیں دستیاب ہوتی ہیں، مثلاً اسلام سے پہلے عرب میں یہ دستور تھا کہ اگر کسی قبیلہ کا کوئی فرد دوسرے قبیلہ کے کسی فرد کو قتل کر دیتا۔ اور مقتول کے وارث دیت لینے پر آمادہ ہو جاتے، تو دیت ادا کرنے کا سارا بوجھ قاتل پر نہ ڈال دیا جاتا بلکہ سارے قبیلے میں اسے مناسب طریقہ سے تقسیم کر دیا جاتا۔ اس طرح

دیت بھی ادا ہو جاتی۔ اور قاتل پر بھی اتنا بوجھ نہ پڑتا۔ جو معاشی طور پر اسے تباہ کر کے رکھ دے۔

حضور اکرم ﷺ نے اس دستور کو پسند فرمایا۔ اور شریعتِ اسلامیہ میں اسے قانونی حیثیت دے دی گئی۔

آج کل حالات بدل گئے ہیں۔ صنعتی انقلاب کے باعث قبیلہ کے افراد میں وہ پہلی ہم آہنگی اور تعلقات ختم ہو گئے ہیں یا ہوتے جا رہے ہیں ہر شخص الگ اور منفرد زندگی بسر کرنے کا خوگر بنتا جا رہا ہے۔ حوادث وخطرات کے امکانات روز افزوں ہیں۔ ان حالات میں جب کہ قبیلہ کے افراد مشکل وقت میں کسی کا تعاون کرنے اور اس کا بوجھ تقسیم کر لینے کے لیے قبائلی عصبیت کی بنیاد پر تیار نہیں ہوتے، تو کیا اب مصیبت زدہ افراد کو یونہی بے یارو مددگار چھوڑ دیا جائے گا۔ ناگہانی حادثات میں آگے بڑھ کر ان کی امداد نہ کی جائے گی۔ اسلامی تعلیمات یقیناً اس کو قبول نہیں کرتیں۔

ارشاد الٰہی ہے:

انما المومنون اخوۃ

مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

نیز حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

المسلمون کالبنیان یشد بعضهم بعضا

کہ مسلمان ایک دیوار کی طرح ہیں۔ جس کی بعض اینٹیں دوسری اینٹوں کو سہارا دے رہی ہیں۔ اس لیے اگر امداد باہمی کی بنیاد پر متعدد افراد ایک ایسی انجمن بنالیں اور بالاقساط اس میں اپنی رضامندی سے سرمایہ جمع کرتے ہیں۔ اور باہمی طور پر طے کر لیں کہ اگر اس انجمن کے اراکین میں سے کسی پر کوئی ناگہانی مصیبت آجائے تو اس فنڈ سے اس کی امداد کی جائے گی، تو یہ چیز شریعتِ اسلامیہ کی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔

اس دور میں سرمایہ کو منجمد کر کے رکھ دینا بھی قرین دانش مندی نہیں، لیکن اسے سودی کاروبار میں نہ لگایا جائے بلکہ ایسے کاروبار میں لگایا جائے جو شرعاً جائز ہے۔ اس سے جو نفع ہو اس میں سے ایک معقول حصہ ریزرو فنڈ کی صورت میں جمع کر لیا جائے۔ باقی نفع (حصص کے مطابق) تقسیم کر دیا جائے اور ناگہانی مصیبت یا حادثہ کا شکار ہونے والے شخص کو حسب معاہدہ اس ریزرو فنڈ سے امداد دی جائے، تو اس میں قطعاً کوئی حرج نہیں۔

کسی سرزمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز نازل ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے

موجودہ بیمہ کمپنیاں جمع کیے ہوئے سرمایہ کو کیونکہ سودی کاروبار میں لگاتی ہیں۔ اور سود کا کچھ حصہ لوگوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور یہ شرعاً جائز نہیں۔ نیز بیمہ کرانے والا چند اقساط ادا کرنے کے بعد بقیہ قسطیں ادا نہ کرے، تو اس کی ادا شدہ قسطیں ضبط کر لی جاتی ہیں۔ شریعت اس حق تلفی کو بھی جائز قرار نہیں دیتی۔ موجودہ بیمہ کمپنیاں اگر ان ممنوعات سے اجتناب کریں تو پھر ان کے جواز میں کئی شک نہیں۔

آج کل حکومت کی طرف سے بعض محکموں میں جبراً ضروری قرار دیا جاتا ہے کہ اس محکمہ کے ملازم بیمہ کرائیں، تو ان سے ملازمین گنہ گار نہیں ہوں گے۔ اس طرح اگر ملک میں فتنہ فساد کی آگ بھڑک رہی ہو۔ جان و مال کو ہر وقت خطرہ لاحق ہو تو شرعی قاعدہ کے مطابق بیمہ کرانا جائز ہے۔

سوال نمبر ۱۰

کیا اسلام کے اقتصادی نظام میں قومی سرمایہ کی تشکیل کے لیے بچت کی حوصلہ افزائی کرنے والی کوئی جائز ترغیبات موجود ہیں؟

جواب

اگر قومی سرمایہ منفعت بخش منصوبوں میں لگایا جائے، تو ان سے حاصل ہونے والی منفعت کا کچھ حصہ سرمایہ جمع کرانے والوں کو دے دیا جائے، تو لوگوں کے لیے یہ بہت بڑی ترغیب ہے۔ غیر منفعت بخش منصوبوں پر خرچ کرنے کے لیے حکومت کو قرضہ درکار ہو، تو ایسے لوگوں کی یہاں کمی نہیں، جو بطیبِ خاطر حکومت کو قرضہ دینے پر آمادہ ہوں گے۔ صرف انھیں دو باتوں کی یقین دہانی ضروری ہے کہ حکومت کسی آرڈی نینس سے ان کی یہ رقم ضبط نہیں کریگی۔ نیز جس وقت انھیں ضرورت ہو گی۔ انھیں فوری طور پر یہ رقم واپس مل جائے گی۔ یہ دشواریاں صرف مغربی معاشرہ میں پیش آتی ہیں۔ جہاں ہر کام کے پسِ منظر میں خواہ وہ ملکی اور قومی نوعیت کا ہو، مساوی منفعت کارفرما ہوتی ہے۔ اور سود لیے بغیر سرمایہ دار اپنی حکومت کو ایک پائی بھی دینے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔ اسلامی معاشرہ مغربی معاشرہ سے مختلف نوعیت کا ہے۔ یہاں اگر حکومت ملکی مقاصد کے لیے قرضہ مانگے گی، تو لوگ دھڑا دھڑ قرضہ دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔

سوال نمبر ۱۱ (الف)

ایک ملازم کو اپنے پراویڈنٹ فنڈ سے قرض لینے پر جو رقم بطور سود ادا کرنی پڑتی ہے اور جو

بعد میں اس کے اسی فنڈ میں جمع کر دی جاتی ہے، کیا آپ اسے ربا کہیں گے؟

(ب)

اگر آجر بھی پراویڈنٹ فنڈ میں اپنی جانب سے کچھ رقم کا اضافہ کرے، تو صورتِ حال کیا ہوگی؟

جواب

سود سرمایہ داری نظام کے اعصاب پر بُری طرح سوار ہے۔ان لوگوں کے لیے سود کے بغیر ایک قدم اٹھانا بھی دشوار ہوتا ہے۔ایک ملازم کی تنخواہ سے اس کا کچھ حصہ کاٹ کر پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے محفوظ کر لیا جاتا ہے جو عام حالات میں اس کی ملازمت کے اختتام پر اسے دیا جاتا ہے۔اس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے موقع پر اسے بیک وقت معقول رقم مل جاتی ہے۔اوراس سے وہ اپنی نئی زندگی کا آغاز پورے اعتماد سے کرسکتا ہے۔اگر کسی ہنگامی ضرورت کے پیش نظر اسے اس فنڈ کی ضرورت پڑ جاتی ہے، تو حکومت اسے اس کی رقم قرضہ کے نام سے دیتی ہے۔اور پھر اس پر سود وصول کرتی ہے۔وہ وصول کردہ سود پھر اس کے فنڈ میں جمع کر دیا جاتا ہے۔اسلامی نظام میں ان نامعقول الجھنوں کی قطعاً گنجائش نہیں۔سیدھا طریقہ یہ ہے کہ عام حالات میں ملازمت کے اختتام پر اس کا پراویڈنٹ فنڈ اسے یک مشت دے دیا جائے، لیکن اثنائے ملازمت اگر اسے ناگہاں طور پر روپیہ کی ضرورت پڑ جائے، تو اسے اس کی اپنی رقم سے روپیہ دیا جائے۔اسے قرض تصور نہ کیا جائے۔اوراس پر سود وصول نہ کیا جائے، لیکن اس پر یہ لازم قرار دے دیا جائے کہ وہ یہ رقم واپس کردے گا تا کہ ملازمت کے اختتام پر وہ اس سے فائدہ اٹھا سکے، یہ تو ہوئی صحیح تجویز!

موجودہ حالات میں اس کے پراویڈنٹ فنڈ میں جو رقم جمع ہوئی ہے۔وہ اس کا مستحق ضرور ہوتا ہے۔لیکن قبضہ میں آنے سے پہلے وہ اس کی ملکیت قرار نہیں دی جاسکتی۔ جب اس رقم سے کچھ روپیہ اس کے حوالے کر دیا جائے گا اوراس کے قبضہ میں آجائے گا، تو وہ رقم جس کا پہلے وہ مستحق تھا۔ اب وہ اس کا مالک بھی بن جائے گا۔اوراس میں جو اضافہ ہوگا۔وہ اس کی اپنی ملک میں ہوگا اوراس پر ربا کی تعریف صادق نہیں آئے گی، کیونکہ یہاں ایک ہی شخص کے مال میں زیادتی ہو رہی ہے۔جب کہ ربا کی تحقیق کے لیے متعاقدین کا ہونا ضروری ہے۔

(ب)

اگر اجر (گورنمنٹ) پراویڈنٹ فنڈ میں اپنی طرف سے کچھ رقم ملا دیتا ہے تو ہم اس کو تبرع یا انعام قرار دیں گے۔اسے سود نہیں کہا جائے گا۔آجر کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے اجیر کو مقررہ اجرت سے جتنا چاہے زیادہ دے۔آج کل اس کو بھی انٹرسٹ (سود) کہا جاتا ہے۔جب تک سودی نظام برقرار رہے گا۔ہم جائز بلکہ مستحسن تبرعات کو بھی سود کے ناپاک نام سے یاد کرتے رہیں گے۔اسلامی نظام میں اس بات کی اجازت نہیں ہوگی۔اجرت جب تک اجیر کو ملتی نہیں۔وہ اس کی ملک میں نہیں آتی، بلکہ آجر کی ملک ہی تصور ہوگی۔اور آجر کو اپنی ملک میں تصرف کا اختیار ہے۔وہ سود کی بجائے آجر کو دو صد روپیہ دے، تو اسے کیوں منع کیا جائے۔اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے۔حکومت اسے لاکھ سود کہے۔شریعت اسے سود قرار نہیں دے گی۔

سوال نمبر۱۲

پراویڈنٹ فنڈ اور سیونگز بنک اکاؤنٹ پر جو نفع دیا جاتا ہے، کیا وہ ربا کی تعریف میں آتا ہے؟

جواب

پراویڈنٹ فنڈ اور سیونگز بنک اکاؤنٹ کو ایک سوال میں جمع کرنا، سوال مرتب کرنے والے کی نیک نیتی کو مشتبہ کر رہا ہے۔یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔جن کے بارے میں الگ الگ سوالات پوچھے جانا چاہیئے تھے۔سیونگ بنک اکاؤنٹ پر جو نفع دیا جاتا ہے، وہ سود ہے اور قطعاً حرام ہے۔پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے حکومت جو رقم اپنے ملازمین کو دیتی ہے، اس کو سود کہنا غلط ہے۔درحقیقت وہ تبرع اور احسان ہے یا ملازم کی بہتر کارکردگی پر اس کا انعام ہے۔

سوال نمبر۱۳

کیا انعامی بانڈوں پر یا سیونگ بنک اکاؤنٹ پر بطور انعام دی جانے والی رقم ربا کی تعریف میں داخل ہے؟

جواب

سیونگ بنک اکاؤنٹ جب سرے سے ہی ناجائز ہے، تو اس پر انعام بھی ناجائز ہوگا، لیکن انعامی بانڈ کا معاملہ جُدا ہے۔اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ قومی ضروریات کے لیے سرمایہ بطور قرض دینے میں ذوق وشوق کا مظاہرہ کریں۔میرے خیال میں کوئی حرج اس میں

نہیں۔جس کی مثال ہمیں فقہ کی کتابوں میں ملتی ہے۔کفار سے جہاد کرنے کے لیے گھوڑوں کی اہمیت محتاج بیان نہیں ۔لوگوں کو گھوڑے پالنے کی ترغیب دینے کے لیے اگر خلیفۂ وقت انعامات دینے کا اعلان کرے،تو فقہ کی اصطلاح میں اسے ''جعل'' کہتے ہیں۔اور یہ جائز ہے۔اور خلیفہ ان انعامات کو بیت المال سے دینے کا مجاز ہے۔

اگر کفار سے جہاد کے لیے لوگوں کو گھوڑے پالنے کی انعام سے ترغیب دینا درست ہے،تو حکومت اگر غربت و افلاس، جہالت و بیماری کے خلاف جہاد کرنے کے لیے کارخانے ، ڈیم ،تعلیمی ادارے اور ہسپتال بنانے کے قرض کی ضرورت محسوس کرے اور انعامات کے ذریعے لوگوں کو قرض دینے کا شوق دلائے،تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔''جعل'' کے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے ہم اس کے جواز کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔یہ انعامات قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کیے جاتے ہیں۔اور قرعہ اندازی بھی شریعت میں جائز ہے، بلکہ جب بہت سے لوگ ایک چیز کے مساوی مستحق ہوں۔اور ان میں سے کسی ایک کو یا چند کو دینا ہو،تو قرعہ اندازی بہترین طریقہ ہے،لیکن اگر کسی بانڈ پر انعام کے حکومت سود بھی ادا کرے تو اس کا حکم اس سے الگ ہوگا۔

سوال نمبر۱۴

کیا اسلامی قانون کے تحت تجارتی قرضوں میں امتیاز کرنا درست ہوگا جب کہ تجارتی قرضوں پر سود لیا جائے اور غیر تجارتی قرضے بلاسود ہوں؟

جواب

عام طور پر لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ نزول قرآن مجید کے وقت صرف نجی ضروریات کے لیے قرض لیا جاتا تھا۔اور ایسے قرضوں پر ہی وہ اپنے قرض خواہوں کو بھاری سود ادا کیا کرتے تھے۔کاروباری مقاصد کے لیے سودی قرض لینے کا اس وقت کوئی رواج ہی نہیں تھا۔ان کے نزدیک اس غیر ترقی یافتہ تمدن میں کاروبار اتنا وسیع نہ تھا کہ اس کو کامیابی سے چلانے کے لیے قرضہ کی ضرورت پڑے۔اپنے اس غلط مفروضہ پر وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں جس سود کی حرمت کا ذکر ہے وہ وہی سود ہے۔جو اس وقت رائج تھا۔کاروباری مقاصد کے لیے نہ اس وقت سود قرض لیا جاتا تھا۔اور نہ اس کی حرمت آیات قرآنی سے ثابت ہے۔

ان کا یہ مفروضہ سراسر غلط ہے۔حقیقت حال کے بالکل خلاف ہے اور اس وقت کے

حالات سے ان کی بے خبری کی دلیل ہے۔اگر آپ نے کبھی جزیرۂ عرب کا نقشہ ملاحظہ فرمایا ہو، تو آپ کو علم ہوگا کہ مکہ مکرمہ اس تجارتی شاہراہ کے بالکل قریب تھا۔جو مشرق ومغرب کی باہمی تجارت میں ریڑھ کی ہڈی کا کام دیتی تھی۔ان تجارتی سرگرمیوں میں اہل مکہ پیش پیش تھے اور تجارتی اغراض و مقاصد کے لیے سود پر قرضہ لینا اور دینا ان کے ہاں روزمرہ کا معمول تھا۔قرآنِ کریم نے ہر قسم کے سود کو حرام قرار دیا ہے۔نجی ضروریات اور کاروباری مقاصد کے لیے سود کے حکم میں کوئی امتیاز نہیں۔سودی قرضوں کے نتائج بڑے بھیانک اور المناک ہیں۔نجی ضروریات کے لیے دیا ہوا سودی قرض ایک فرد یا ایک گھرانہ کے لیے وبالِ جان ہوتا ہے، لیکن جو سودی قرض کاروباری مقاصد کے لیے دیا جاتا ہے اس سے سارا معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔ملکی ثروت چند ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے۔جس سے بے شمار مصائب وآلام رونما ہو جاتے ہیں۔شریعت اسلامیہ ایسی چیز کی اجازت نہیں دیتی۔جو گونا گوں خرابیوں کا باعث ہو۔

سوال نمبر ۱۵

اگر سود کو قطعی طور پر ختم کر دیا جائے، تو اسلامی نظامِ معیشت میں لوگوں کو بچت پر ابھارنے اور سرمایہ کے استعمال میں کفایت شعاری کی ترغیب دینے کے لیے کون سے محرکات استعمال کیے جائیں گے؟

جواب

موجودہ دور میں جو لوگ بنکوں میں اپنا سرمایہ جمع کراتے ہیں۔انھیں پانچ یا دس فیصد نفع دے کر ٹال دیا جاتا ہے۔اگر بنکوں کا نظام مضاربت کے اصول پر قائم کیا جائے تو جو نفع حصہ داروں کو ملے گا۔وہ موجودہ شرح سود سے کہیں زیادہ ہوگا۔لوگ دھڑا دھڑ اپنا روپیہ بنکوں میں جمع کرائیں گے۔

سودی نظام کی بالادستی کے باعث لوگ اس قسم کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں کہ اگر سود بند کر دیا گیا، تو بنک خالی ہو جائیں گے اور اقتصادی ترقی کے سارے منصوبے تلپٹ ہو جائیں گے۔ہم اسے حکومت اور بنک کاروں کی کاہلی اور تغافل کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے اس فاسد نظام کو بدلنے کے لیے جو ضروری اقدامات کرنے تھے۔ان سے وہ قاصر ہیں۔

سوال نمبر ۱۶

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

جدید معاشی نظریہ کے طور پر سود کے معنی اس شرح سود سے مختلف ہو گئے ہیں۔ جو قرض پر واقعی ادا کیا جاتا ہے مثلاً ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں ماہرین معاشیات ''فرضی شرح سود'' سے کام لیتے ہیں۔ جس سے سرمایہ کی کمیابی کی قیمت ظاہر ہوتی ہے۔ اس قسم کا نظریہ اقتصادی حکمتِ عملی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ خواہ واقعی سود ادا کیا جائے یا نہ ادا کیا جائے؟

جواب

جب ہم نظام معیشت کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالیں گے، تو اس وقت نہ حقیقی سود کی گنجائش رہے گی۔ اور نہ فرضی سود کی ضرورت محسوس ہوگی۔ اسلامی مملکت کو اس قسم کی حکمت عملی اختیار کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ جس کے باعث حقائق پر پردہ ڈالا جاتا ہے۔ حقیقت کچھ ہوتی ہے، اور بتایا کچھ جاتا ہے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

☆☆☆

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

☆

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا